خواہش موجود ہے" شیخ صاحب نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ مجھے اتنا روپیہ ملے کہ میں عیش و عشرت کے تمام سامان مہیا کرلوں شیخ صاحب کہتے تھے کہ میرا یہ جواب سنتے ہی پروفیسر آرنلڈ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا، دانتوں تلے انھوں نے انگلی دبائی اور پھر بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے بولے کہ "کیا کسی ایک طالب علم کے لئے علم کی لذت سے بڑھ کر بھی کوئی دوسری لذت ہو سکتی ہے؟

انہیں پروفیسر آرنلڈ کا ایک واقعہ مولانا شبلی نے سفرنامہ مصر روم وشام میں لکھا ہے۔ یہ دونوں ایک ہی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ راستہ میں غالباً عدن کے قریب دفعتہً معلوم ہوا کہ جہاز کے ڈوب جانے کا خطرہ ہے اور کپتان نے خطرہ کی گھنٹی بھی بجادی ہے۔ مولانا شبلی جو یوں بھی بہت کمزور دل تھے، بہت گھبرا گئے، وہ فوراً بھاگے ہوئے پروفیسر آرنلڈ کے کیبن میں پہونچے وہاں کیا دیکھتے ہیں پروفیسر آرنلڈ بڑے اطمینان سے مطالعہ کتاب میں مصروف ہیں۔ مولانا نے حیرت سے پوچھا "کیا آپکو خبر نہیں ہے کہ جہاز خطرہ میں ہے؟ پروفیسر صاحب نے جواب دیا" ہاں مجھے معلوم ہے۔" اب مولانا نے اس اطمینان کے ساتھ مطالعہ پر حیرت کا اظہار کیا تو پروفیسر آرنلڈ بولے" دیکھئے دو حال سے خالی نہیں یا تو جہاز ڈوب ہی جائیگا یا خطرہ سے باہر نکل آئے گا اگر دوسری صورت اس کے مقدر میں ہے تو پھر خواہ مخواہ پریشان ہونے سے کیا فائدہ اور اگر خدانخواستہ ڈوبنا ہی اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے تو پھر زندگی کے یہ چند لمحات غنیمت ہیں انہیں کسی بہتر کام میں صرف کرنا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرنے سے بہتر اور دوسرا کونسا کام ہو سکتا ہے۔

غزالی کا مقولہ ہے" العلم لا یعطیک بعضہ حتی لا تعطیہ کلک یعنی علم اپنا تھوڑا سا بھی تم کو اس وقت تک نہیں دیگا جب تک کہ تم اپنا سب کچھ علم کے حوالہ نہیں کردوگے۔ یہ مقولہ جس طرح مشرق پر صادق آتا ہے مغرب پر بھی آتا ہے۔

علم و تحقیق کی راہ میں قربانیاں

تاریخ یورپ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرون وسطیٰ کی ظلمتوں کے بعد سولھویں صدی سے یکے بعد دیگرے ایسے ارباب علم و تحقیق پیدا ہوتے رہے جنھوں نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا۔ انھوں نے خود جانیں قربان کردیں لیکن دنیا کو ایک نئی زندگی، ایک نیا فکر، ایک نیا تمدن دے گئے۔ پندرھویں صدی کے نصف آخر میں کوپرنیکس (Copernicus) پیدا ہوا جو ۲۴ رمئی ۱۵۴۳ء کو اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس نے ستاروں کی حرکت کا پتہ چلایا لیکن عیسائیت کی تنگ نظری کی وجہ سے

وہ اپنی تحقیقات شائع نہیں کرسکا۔ آخر ٹھیک اس دن جبکہ وہ اس دنیا کو خیرآباد کہہ رہا تھا اس کا رسالہ جسے اُس نے اب سے تیس سال پہلے مکمل کر لیا تھا شائع ہوا۔ جس نے علم نجوم میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کردیا کوپرنیکس کی موت کے سات برس بعد گیارڈانو برونو (Giordano Bruno) نیپلز میں پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے پیشرو کی تحقیقات کو اور آگے بڑھایا لیکن اس جرم میں اسے پہلے قید و بند کی شدید ترین تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور آخر ۱۷ر فروری ۱۶۰۰ء کو اُس نے تختۂ دار پر لٹک کر قیدِ ہستی سے نجات پائی۔ لیکن اس کی جرأت و ہمت کا یہ عالم تھا کہ جب جج نے اُسے سزائے موت کا حکم سنایا تو اُس نے بھری عدالت میں جج کو مخاطب کر کے کہا "تم جو مجھ کو سزائے موت دے رہے ہو بہ نسبت میرے زیادہ خطرہ میں ہو مستقبل فیصلہ کرے گا کہ فاتح کون ہے میں یا تم۔ میں مر رہا ہوں اور اپنی خوشی سے بزدلی کی زندگی پر بہادری کی موت کو ترجیح دے رہا ہوں۔

اسی زمانہ میں گلیلیو (Galileo) نے آفتاب کے ارد گرد زمین کی گردش کا نعرہ بلند کیا۔ کوپرنیکس نے علم نجوم میں زہرہ۔ مشتری۔ چاند اور مریخ کی تشکل کی نسبت جدید تحقیقات کر کے جو نئی بنیادیں قائم کی تھیں گلیلیو نے دوربین کے ذریعہ انہیں تحقیقات کو اور آگے بڑھایا اور جو چیز پہلے قیاسی تھی اس کا مشاہدہ کرا دیا۔ لیکن کلیسا کی حکومت اسے بھی برداشت نہ کرسکی۔ نو سال تک حد درجہ بے کسی کے ساتھ قید و بند کی تکالیف اٹھانے کے بعد آخر قید خانہ ہی میں اُس نے دنیا کو الوداع کہا۔

جس سال یعنی ۱۶۴۲ء میں گلیلیو کا انتقال ہوا اسی سال آئزک نیوٹن (Isaac Newton) پیدا ہوا۔ اُس نے زمین کی کشش کا سُراغ لگایا۔ زمین کی کشش کا تخیل خود گلیلیو بھی رکھتا تھا لیکن نیوٹن کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اُس نے اسی نظریہ کو اعلیٰ ریاضیات کے اصول و ضوابط پر جانچا۔ پرکھا اور آخر کار اسے مستحکم دلائل سے ثابت کر کے دم لیا۔ نیوٹن نے ریاضی اصول و ضوابط پر روشنی کے اجزائے ترکیبی کشش اور حرکت کے قوانین اور ان کو ناپنے کے طریقوں سے متعلق جو تحقیقات کی انہیں کا یہ نتیجہ تھا کہ علمائے سائنس ان تحقیقات کی روشنی میں آگے بڑھے اور یورپ میں یک بیک ایک مشینی اور صنعتی و حرفتی انقلاب پیدا ہوگیا۔ اگرچہ یہ بھی ایک عجیب اتفاق تھا کہ نیوٹن جس نے عہدِ شباب میں اپنی تحقیقات اور جدید انکشافات سے دُنیا کا رخ بدل دیا اور انسانی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز کر دیا تھا وہ عمر کے آخری چالیس سالوں میں ایک زاہد متقشف اور خالص کلیسائی منتسک ہو کر بیٹھ گیا اور اُسے خود اپنے مضمون سے

دلچسپی نہیں رہی۔ مرنے سے چند روز پہلے اس نے کہا کہ "میرے علم و تحقیق کی مثال اس بچہ کی سی ہے جو کسی ایک بحر زخار کے کنارہ بیٹھا ہوا چند خوبصورت کنکریوں یا سیپ کے خول سے کھیل رہا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ سچائی کا بحر ناپیدا کنار میرے علم و تحقیق کی دسترس سے بہت دور ہے۔

انسانی تہذیب و تمدن کی دنیا میں جس حیرت انگیز انقلاب و تغیر کا بیج سولہویں صدی میں بویا گیا تھا سترہویں صدی میں اس نے برگ و بار پیدا کرنے شروع کئے۔ یہ ہی وہ زمانہ تھا جبکہ علمائے سائنس نے ایک انجمن قائم کر کے باقاعدہ اپنی تنظیم شروع کی اور انجمن کے ہفتہ وار جلسوں میں سائنٹیفک موضوعات و مباحث پر تبادلۂ خیالات اور ان خیالات و آرار کی اشاعت کا سر و سامان کیا۔ چنانچہ ولیم ہاروے (William Harvey) نے فزیالوجی میں اور انٹوئن لیوشر (Antoine Lavoisier) نے کیمسٹری میں، روسو (Rousseau) نے عمرانیات و اجتماعیات میں اپنی عمر بھر کی علمی جد و جہد اور تحقیق و کاوش کے ذریعہ فکر و نظر کا ایک نیا باب کھولدیا۔ علم و تحقیق کی راہ کے ان جانباز و بہادر مسافروں کو اپنی تحقیق اور علمی زندگی کس درجہ عزیز تھی اس کا اندازہ اس ایک عجیب و غریب واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ جب ۸ مئی ۱۷۹۴ء کو اکیاون سال کی عمر کے لیوشر کو علم کیمیا میں کلیسا شکن تحقیقات کے جرم میں فرانس کی حکومت نے سزائے موت کا حکم سنایا تو اس شہید علم کو ذرا خوف و ہراس نہیں ہوا اور اس نے یہ درخواست کی کہ مجھے پندرہ دن کے لئے زندہ رہنے کی اجازت دی جائے تاکہ میں پسینہ (Perspiration) سے متعلق جو تحقیقات کر رہا ہوں اسے مکمل کر لوں۔ لیکن ظالم حکومت نے ایک نہ سُنی اور جج نے کہا کہ "جمہوریہ کو علماء اور ماہرین علوم و فنون کی ضرورت نہیں ہے۔" جج کا یہ کہنا تھا کہ جلاد کی تلوار چمکی اور جس نے عناصر سے متعلق انسانی علم و فکر کی دنیا میں انقلاب عظیم بپا کیا اور جس نے آکسیجن اور ہائیڈروجن کا سراغ بتا کر انسانی جسم میں زندگی کا نیا خون دوڑایا تھا اس کا سر یک بیک کٹ کر زمین پر آ رہا۔

ان جانباز بہادروں نے علم و تحقیق کی قربان گاہ پر اپنی زندگیاں بھینٹ چڑھا دیں۔ حکومتِ وقت نے ان سے جان مانگی انھوں نے خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی جانیں دیدیں لیکن کون نہیں جانتا کہ انھوں نے اپنے کارناموں سے اور اپنے ذہنی و دماغی تخلیقات کے ذریعہ نہ صرف یورپ کا بلکہ ساری دنیا کا نقشہ کس طرح بدل دیا ہے انھوں نے انسانی تہذیب و تمدن کو ایک نئی زندگی بخشی ہے اور فطرت کے اسرارِ سربستہ کو بے نقاب کر کے فکر و نظر کے لئے وسعتیں اور

نئی فضائیں پیدا کی ہیں۔ آج انہیں لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ یورپ سیاسی اعتبار سے ایشائی اقوام کے تعاون و اشتراک کا خواہ کیسا ہی محتاج ہو لیکن پوری دنیا پر اس کی ذہنی و دماغی اور علمی گرفت اسی قدر مضبوط ہے کہ ابھی عرصہ تک اس سے نجات پاجانا ممکن نہیں ہے۔

اس داستان سرائی کا مقصد یہ ہے کہ آج جبکہ ہم آزاد ہیں اور ہمیں اپنے ملک کو ترقی دینا اور اُسے آگے بڑھانا ہے تو ہم سب کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ کسی ملک کی عظمت و رفعت اور اس کی ترقی و سربلندی کا دارو مدار اس بات پر نہیں ہوتا کہ اس ملک میں حکومت کیسی ہے؟ اور حکومت کے دفتروں اور محکموں میں جو لوگ کام کرتے ہیں وہ کیسے ہیں بلکہ اس کا دارو مدار ایک بڑی حد تک اس بات پر ہوتا ہے کہ اس ملک میں علوم و فنون کے ماہر کتنے ہیں؟ انھوں نے اپنی تحقیقات سے ملک کو اور اس کے ذریعہ دوسروں کو کیا فائدہ پہونچایا ہے انہوں نے اپنی کوششوں سے علم و نظر کے ذخیرہ میں کیا اضافہ کیا ہے اور ان کی ذات سے انسانی تہذیب و تمدن کو کیا منفعت پہونچی ہے۔ سیاسی فتح و شکست کا فیصلہ بیشک میدان جنگ ہی میں ہوتا ہے اور کسی ملک کی سرحد میں نگہداشت و حفاظت کا کام فوجیں کرتی ہیں۔ لیکن کسی ملک کی حقیقی عظمت و سربلندی کا پرچم صرف اس ملک کے ارباب علم و تحقیق کے ہاتھوں ہی فضا میں لہرا سکتا ہے۔ اگر ہم لوگ اس نکتہ کو محسوس کرلیں اور اس پر ہمیں یقین کامل بھی پیدا ہو جائے تو اس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہوگا کہ علوم و فنون کے ماہر اور افاضل کبھی کسی مادی لذّت و آسائش سے مرعوب ہوکر اپنے خلوت کدۂ درس و تدریس اور مسند علم و تحقیق کو چھوڑ کر کسی سرکاری محکمہ کے افسر اعلیٰ کی کرسی پر بیٹھنے کی تمنا نہیں کریں گے اور دوسری جانب حکومت بھی اس کا خیال رکھے گی کہ جن لوگوں نے اب تک اپنی عمر کا بہترین حصّہ علم و تحقیق کی راہ میں بسر کیا ہے ان کو حکومت کے شعبوں میں کھینچ کر علم کا نقصان نہیں کرے گی۔ علم بجائے خود ایک مملکت اور سلطنت ہے اس کی توہین اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ اس کو سیاست کا آلۂ کار و خدمت گذار کی حیثیت سے استعمال کیا جائے۔

بہرحال طلبار میں علمی استعداد کو پختہ و مضبوط اور اس کے معیار کو اونچا کرنے کے لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ حکومت اور عوام اور یہاں تک کہ خود ارباب علم، علم و تحقیق کے ساتھ انصاف کرنا سیکھیں۔ اس کو وہ مقام دیں جس کا وہ مستحق ہے۔ اس کی وہ قدر و منزلت کریں جو اس کا اپنا طبعی

حق ہے۔ ہم ایسا کریں گے تو نوجوانوں کے دلوں میں بھی علم کی رغبت اور اس کا صحیح ذوق پیدا کر سکیں گے۔ (باقی آئندہ)

تاریخ مشائخ چشت

یہ سلسلۂ چشت کے صوفیۂ کرام اور مشائخ عظام کی نہایت مستند اور محققانہ تاریخ ہے جسے پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی استاذ شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی و رفیق ندوۃ المصنفین نے بڑی تلاش اور تحقیق کے بعد مرتب کیا ہے، اردو زبان میں صوفیہ کا یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں امت کے ان پیشواؤں کے مقصدِ حیات، نظام اصلاح و تربیت اور انداز تبلیغ حق پر نہایت مدلل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ صرف مقدمہ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جو ہر اعتبار سے تلاش و تحقیق کا شاہکار ہے۔

سلسلہ نشو و نما سمجھانے کے لئے ہندوستان کا ایک نقشہ بھی شامل کیا گیا ہے جس میں سلسلہ کے تمام بڑے بڑے مرکزوں کو بتایا گیا ہے اسی کے ساتھ شجرات بھی درج کئے گئے ہیں مقدمہ کے بعد چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ کے مندرجہ ذیل بزرگوں کے تفصیلی حالات ۱۲ بابوں میں درج ہیں۔ حالات سے پہلے ایک باب میں اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں مسلمانوں کی مذہبی، تمدنی اور سیاسی حالت کا جائزہ لیا گیا ہے۔

(۱) حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ (۲) حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ (۳) حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ
(۴) حضرت شاہ نور محمد مہارویؒ (۵) حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ (۶) حضرت خواجہ محمد عاقلؒ
(۷) حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ (۸) حضرت شاہ محمد سلیمان تونسویؒ (۹) حضرت حافظ محمد علی خیرآبادیؒ
(۱۰) حضرت حاجی نجم الدین شیخانیؒ (۱۱) حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ (۱۲) حضرت شاہ اللہ بخش تونسویؒ

کتاب ہر حیثیت سے لائق مطالعہ ہے اس کی اشاعت سے ہندوستان کے مشائخ چشت کے حالات کی تحقیق کا ایک نیا باب کھل گیا ہے صفحات ۸۱۸ بڑی تقطیع کتابت طباعت کاغذ نہایت اعلیٰ۔ قیمت ۱۲؍ مجلد ۱۳؍

ملنے کا پتہ مکتبہ برہان۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی